آتا اور عام و خاص زائرین مدعو رہتے تھے ـــــ اہل حاجت کی امداد اور خدام کی خدمت کا صلہ بصورت نقد جواد فرماتے وہ اس سے الگ تھا، اس داد و دہش اور پُر تکلف دستر خوان کو دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوتا کہ ان کی زندگی امیرانہ رنگ کی ہے، مگر ہم نے قریب سے دیکھا ہے کہ سب کچھ مہمانوں کی خاطر تھا۔ اپنی اور اہل خانہ کیلئے نہایت فقیرانہ زندگی پسند فرما رکھی تھی۔ مدینہ طیبہ کے پودینہ سے روٹی کا ٹکڑا کھالیا تو ناشتہ ہوگیا، معمولی سے شوربے یا دال کے ساتھ روٹی کھالی تو یہ گویا خاصہ تناول فرمالیا۔ جسکو روحانی لذتیں حاصل تھیں وہ مادی لذتوں کا محتاج کب رہ گیا تھا ـــــ؟ دو تین بار یہ بات حضرت مولانا کی زبانی سنی کہ ہجرت مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانہ میں بڑی تنگدستی رہی یہاں تک کہ فاقہ کشی کا وقت آگیا، بہت سوچا کہ کیا کیا جائے آخر میں خیال یہی آیا کہ جو کچھ تھوڑا بہت اسباب ہے، وہ بھی فقرائے مدینہ پاک میں تقسیم کر دیا جائے چنانچہ سب تقسیم کر دیا، وہ دن تھا کہ پھر آخر حیات تک تنگی محسوس نہیں ہوئی، بلکہ روپیہ دریائے رواں کیطرح آتا اور جاتا رہا۔

حضرت مولانا پیکر الفت و محبت تھے، جو ان کے قریب ہوا اس کے سارے متعلقین سے مولانا کو الفت ہوجاتی تھی اور ہر ایک کی خیر خیریت دریافت فرماتے رہتے اور ان کو اپنی شفقتوں سے اور ہدایا سے نوازتے رہتے تھے، ان کی خوشی سے خوش ہوتے اور ان کے غم و الم سے محزون ہوجاتے تھے، اور یہ تعلق امارت و فقیری کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ محض دل کے رابطہ و تعلق کی بنا پر تھا۔

حضرت کے دوران قیام کراچی (آج سے تقریباً ۸ برس پہلے) احقر کے والد ماجد مدظلہٗ پاؤں کے حادثہ کا شکار ہوکر فریش ہوگئے، حضرت کو اطلاع ہوئی تو دو مرتبہ حضرت نے از خود بلا اطلاع غریب خانہ کو رونق بخشی اور بیمار کو اپنی اس کرم ارزانی سے توانا کر دیا ـــــ یہ اُن کے کرم عام کا نمونہ تھا۔

حضرت کی زبان غیبت سے اور انکی نگاہ عیب جوئی سے تو محفوظ تھی ہی، مگر ان کی مجلس میں بھی کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قسم کی کوئی بات کرسکتا، بلکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے تھے ان کا ذکر بھی وہ خیر ہی سے فرمایا کرتے تھے، یا پھر خاموش ہوجاتے، یہ معمولی بات نہیں، البتہ اکابر کی شان میں گستاخی ان کیلئے ناقابل برداشت ہوجاتی تھی ـــــ ایک مرتبہ احقر ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ حاضر خدمت تھا، ذکر کچھ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا آگیا تو ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ حضرت (تھانویؒ) سے میرے تعلق کا اندازہ اس سے لگائیں

کہ دہلی میں ایک مرتبہ ہمارے سلسلہ کے کچھ لوگ جمع تھے، ان میں سے کسی نے حضرت کی شان میں سوئے ادب کا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالا تو میں فوراً اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، یہ لوگ حیران رہ گئے اور سبب نہ سمجھ سکے، جب میرے پاس آئے اور وجہ پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو اولیائے عصر میں سے مانتا ہوں اور اس مجلس میں قطعاً شرکت نہیں کر سکتا جہاں اولیاء کا آداب ملحوظ نہ رہے، میں اس وقت تک آپ کی مجلس میں شامل نہ ہوں گا، جب تک آپ لوگ اپنی حرکت سے تائب نہ ہو جائیں، چنانچہ سب نادم و تائب ہوئے۔"
یہ معمولی خلق نہیں ہے۔ احقر کی موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ایک معتقد نے حضرت مدنیؒ کی بابت شیخ کی رائے پوچھی، فرمایا: "میں حضرت مدنیؒ سے متعلق کیا عرض کر سکتا ہوں جبکہ میرے شیخ حضرت فضل علی قریشیؒ یوں فرماتے تھے کہ میں اُن کے چہرہ کو دیکھنا عبادت سمجھتا ہوں۔"

حضرت مولانا کے دل میں سادات اور علماء ربانی کا خاص مقام تھا، وہ ان حضرات کے لئے سروقامت کھڑے ہو جاتے، آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور باوجود ضعف کے سواری تک پہنچ کر اُن کو بٹھلاتے اور رخصت کر کے پھر لوٹتے، اور یہ سب تمام اخلاص کے ساتھ تھا۔ حضرت مولانا جب اوّل اوّل کراچی تشریف لائے ہیں تو ان میں بڑا جذبہ دیوبندیت اور بریلویت کی خلیج کو پاٹ دینے کا تھا، اور اس کا اظہار وہ ہر مناسب موقع پر بڑی دلسوزی سے کرتے رہے مگر اس میں ان کو بریلوی حضرات سے بڑی مایوسی اٹھانی پڑی اور دو ایک دفعہ کی پاکستان آمد اور کوشش کے بعد پھر انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹالی اور اچھا ہوا کہ جلد یکسوئی فرمالی ورنہ وہی ہوتا جس خدشہ کو صاحبِ نظر حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے تاڑ لیا تھا اور مجتنب رہے رہتے تھے۔ حضرت مولانا الیاسؒ کا قول مشہور ہے کہ "میں تو بریلوی حضرات کے بھی قدم پکڑ لیتا مگر نفع کی کوئی امید نظر نہیں آتی، اپنے یہ سمجھیں گے کہ یہ بریلویت کی طرف جھک گیا، اور وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو دیوبندی ہی ہے، ہم کو دھوکا دے رہا ہے۔"

برادر مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زاد لطفہ، نے فرمائش کی کہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قدس سرہ پر کچھ لکھ بھیجوں، نامۂ محبت پڑھتے ہی قلم اٹھا کر جو کچھ بن پڑا حاضر کر دیا ورنہ ابھی اپنی حالت ایسی نہیں کہ سلیقہ سے حضرت پر کچھ لکھا جائے اور اسکی دو وجوہ ہیں، ایک غم کا اثر اور دوسرے وہی بات جو جگر مرحوم نے کہی تھی ؎

میں کامیاب دید بھی ناکام دید بھی — جلوؤں کے اژدحام نے حیران بنا دیا

ڈاکٹر غلام صابر عباسی - کراچی

کلمہ طیبہ کی روشنی میں
وحدت و امامت

توحید | بدقسمتی سے آجکل مسلمانوں کا عام میلان وسعت کی بجائے محدودیت کیطرف ہے۔ ان کا ہر گروہ اس کلمہ کے کسی محدود معنی پر نظر جما کے بیٹھا ہے۔ وسیع مفہوم کیلئے یا تو ان کے ذہن ہی تنگ ہیں یا ہمت قاصر ہے۔ اور اس کے نتائج سے یہ لرزہ براندام ہیں۔ لا کو آپ نفی کہدیں یا "تخریب" اور الا کو اثبات کہیں یا "تعمیر" مدعا ایک ہے۔ الا اللہ اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا میں کوئی چیز قابل تسلیم لائق اطاعت اور مستحق تقلید نہیں ہے۔ وہ تمام مختلف نظام جہل انسانی کے تراشے ہوئے ہیں جو کہ غلط ہیں۔ آپ کو انہیں مٹانا ہے اور ان کی تخریب کرنی ہے، اب جو فرد لا پر عمل کرنے لگا، سمجھ لیجئے کہ اس نے راہ توحید میں پہلا قدم اٹھالیا۔

دنیا کی جو قومیں محض لا الٰہ کے پیر میں پڑی ہوئی ہیں، اگر وہ الا اللہ (اسلام) پر بھی عامل ہو جائیں تو کیا اس جہاں پیر کی تقدیر بدل نہیں سکتی۔؟ یہ الا ان کو ایک ایسی لڑی میں پروئے کہ ان کی باہمی تخریب ان کی تہذیبی، تمدنی، معاشی، نسلی، قومی، سیاسی، طبقاتی نزاعیں ان کی خودکشی کی کوشش سب ختم ہو جائیں۔ ان کی ہوس ناکیاں، ملک گیری، مکاریاں یا ریاکاریاں، منافقتیں سرے سے مٹ جائیں۔ ان کے علاوہ جاہل پیروں، ملاؤں، ذاکروں، مجتہدوں، رئیسوں اور نوابوں کی تعداد ہے۔ جو لوگوں کو اپنے آگے جھکواتے ہیں اور انکی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حلقہ اثر میں خدائی کا کھلا یا چھپا اعلان کر رہے ہیں۔ آخر کیوں لوگ کلمہ متعین کے معنی نہیں جانتے یہی کلمہ جو مالک اور حاکم کو متعین کرتا ہے۔ خدا کی یہ شان ہے کہ اس کے آگے کوئی فرمانروا نہیں، تو انسان کی بھی یہ شان ہے کہ اس کا سر تسلیم خدا کے سوا کسی بنا دٹی فرمانروا کے آگے جھک نہیں سکتا۔ گردن صرف

تیرے ہی آگے جھک سکتی ہے ، اگر دنیا کی ساری طاقتیں بھی اسکو جھکانا چاہیں تو یہ ختم نہ ہوگی ۔ اللہ کی اطاعت غیر اللہ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے ، جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے اپنی حیثیت کو بھی پہچان لیا ، اب عوام کو چھوڑ کر خواندہ حضرات کی طرف آئیے ، ان میں سے بعض تو اشتراکیت کو دنیا کی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اسلام سے مایوس ہو رہے ہیں ۔ اور بعض ایسے ہیں جو وطنیت کے جذبے میں سرشار پکار پکار کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں بلکہ پاکستانی ہیں ۔ ان کا دین بھی وطن اور خدا بھی وطن ہے

تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

جو اس خدا کی پرستش سے بچے وہ "قومیت" کے فریب میں الجھ گئے ، ان سب کا مشترک بتکدہ مغربیت ہے ۔ جسمیں بےشمار بت رکھے ہوئے ہیں ۔ اور ان میں سے ہر ایک اس کے بتوں میں سے کسی نہ کسی کے آگے سر بسجود ہے ۔ بعض کیلئے سب سے بڑا خدا انگریز اور امریکہ ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے بندوں اور پرستاروں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے ، اور اس میں عالم ، جاہل اور سربراہ حکومت بھی شامل ہیں ۔

جب ہم یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو اسکا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ اس کے سوا کوئی مسجود معبود نہیں ہے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے حکم کو بے چون وچرا مان لیا جائے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے قانون کو قانون تسلیم کیا جائے ، اس کے سوا کوئی نہیں جسکو انسان اپنے سے بالاتر سمجھے اور جس کے آگے ذلت ، غلامی ، نیازمندی اور محکومی اختیار کرے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو حکمت و دانائی کا منبع ہو اور جسکو حقیقت و صداقت کے علم کا آخری ماخذ سمجھا جا سکے ۔ تمام اطاعتیں اسکی اطاعت کے ماتحت ہیں ۔ جو اسکی اطاعت سے آزاد ہے ہم اسکی اطاعت سے آزاد ہیں ۔ یہ سب اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کرنے کے لوازم ہیں ، جو شخص ان میں سے کسی حیثیت سے بھی اللہ کو الٰہ تسلیم نہیں کرتا وہ دہریہ ہے اور جو بعض حیثیتوں سے اس کو الٰہ مانتا ہے ، اور بعض حیثیتوں میں دوسروں کو اس کا شریک یا حصہ دار بناتا ہے ، وہ شرک کا مرتکب ہے ۔ صرف غیر کو سجدہ کرنا یا غیر سے دعاء مانگنا یا غیر کے آگے نذر و نیاز پیش کرنا ہی شرک نہیں